چین کے مُسلمان

مترجم :- گوپال متل

مع پیش لفظ :- مولٰنا محمد عثمان صاحب فارقلیط

O

ناشر

نیشنل اکاڈمی - ۹، انصاری مارکیٹ، دریا گنج دہلی

فہرست

اشاعت اول جون ۱۹۶۱ء

قیمت پچیس نئے پیسے

L 6169

مطبوعہ
یونین پرنٹنگ پریس۔ دہلی

V-96

COPYRIGHT 1958 BY UNION PRESS, HONG KONG

REVISED 1961

پیش لفظ

(جنابِ مولانا محمد عثمان فارقلیط ۔چیف ایڈیٹر روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی)

کتاب "چین کے مسلمان" آپ کے ہاتھوں میں ہے، آپ اسے ناقدانہ حیثیت سے پڑھیئے، یا موافقانہ حیثیت سے؛ دونوں کا ایک ہی نتیجہ ہو گا یعنی موجودہ دور میں چین کے مسلمان سخت بے چینی میں مبتلا ہیں اور ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ آپ کو الجزائر کے مسلمانوں کا حال معلوم ہو جاتا ہے، آپ جنوبی افریقہ کے لوگوں کی چیخ پکار بھی سن لیتے ہیں لیکن چین کے بدقسمت مسلمان بیرونی دنیا کو اپنی حالتِ زار سے کسی وقت بھی آگاہ نہیں کر سکتے۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ وہ آج کے دور میں مظلومانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، لیکن اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ اس پر کبھی کبھار یا تو کوئی سیاح روشنی ڈالتا ہے یا اقوام و ملل کے ماہرین سے کچھ حالات کانوں میں پڑ جاتے ہیں لیکن خود چین کے مسلمان اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ وہ بیرونی دنیا سے مخاطب ہو کر کہہ سکیں ؎

تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

یہ کتاب جذباتی رنگ سے بالکل الگ ہے، اس میں ٹھوس واقعات

کتاب میں بتایا گیا ہے کہ چین کے مسلمان دو نسلی گروپوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں سے ایک گروپ ہوئی کہلاتا ہے جس کے افراد چین کے متعدد حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن ان کی بیشتر آبادی کانسو اور ہوپئی کے صوبوں میں رہتی ہے۔ دوسرا نسلی گروپ اوگھر ہے جس کے افراد دوسرے مسلم قبائل کے ساتھ سنکیانگ (چینی ترکستان) میں رہتے ہیں بقول مولف "چینی کمیونسٹوں کو اچھی طرح احساس ہے کہ اسلام مشرق وسطیٰ اور دنیا کے بعض دوسرے حصوں میں ایک زبردست سیاسی قوت ہے" اس لیے وہ اس قوت کو اپنے ملک میں برداشت کرکے اپنا حریف نہیں بنانا چاہتے اور اسی میں خیریت سمجھتے ہیں کہ اس قوت کو اتنا کمزور کر دیں کہ وہ صرف برائے نام رہ جائے اور پھر نام بھی مٹا دیا جائے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اس منصوبے کے تحت مسلم اقوام کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا مسجدوں کے اماموں کی کیا درگت بنائی گئی اور ہزاروں مسلمانوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر کسی اور طرف کو ہجرت کر جائیں اور دشوار گزار راستوں میں پڑ کر کسی منزل پہ نہ پہنچ سکیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ چینی مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ اور ان کی قسمت کا فیصلہ کس طرح ہونے والا ہے؟ افسوس ہے کہ اس سوال پر مسلم ممالک نے کبھی غور نہیں کیا اور چینی مسلمانوں

جو مستند اور سرکاری دستاویزات، اخبارات اور رپورٹوں پر مبنی ہیں تحلیل و تجزیہ کے رنگ میں آپ کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں اور نتیجہ آپ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چین کا کمیونسٹ نظام چینی مسلمانوں کی قلب ماہیت کے لیے کن طریقوں کو اپنا رہا ہے ان کا حال آپ کو اس کتاب سے معلوم ہوگا۔ کتاب میں چین کے ایک کروڑ مسلمانوں سے بحث کی گئی ہے اور کتاب کے مولف نے اس تعداد کو جوں کا توں مان کر واقعات کے رہوار کو آگے بڑھایا ہے لیکن ہمیں اس تعداد میں کلام ہے، کمیونسٹ نظام سے پہلے چینی مسلمانوں کی تعداد ہمیشہ پانچ کروڑ بتائی گئی ہے اور تین کروڑ کی تعداد میں تو کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا۔ سوال یہ ہے کہ یہ دو کروڑ مسلمان کہاں گئے؟ اور دس سال کی قلب ماہیت کے بعد دو تہائی تعداد کو کہاں کھپایا گیا؟

جاپان سے جاپانی مسلمانوں کا ایک ماہنامہ عَلَم الاخضر (GREEN FLAG) کے نام سے نکلتا ہے، اس کے ایک جاپانی مضمون نگار نے یہی سوال اٹھایا ہے کہ چین کے دو تہائی مسلمانوں کی تعداد کہاں گئی، کتاب کے مولف نے اس سوال کو نظر انداز کر کے سرکاری اعداد و شمار یا مشہور اندازہ پر انحصار کیا اور اصل مقصد کی وضاحت شروع کر دی۔

چین کے مسلمانوں میں بے چینی

چینی کمیونسٹوں کو چین میں برسرِ اقتدار آئے دس برس سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری ہے۔ ان چند برس میں وہ اس بے پایاں کام کی تکمیل میں مصروف رہے ہیں کہ ایسے ساٹھ کروڑ سے زیادہ اشخاص کو جو نسل، زبان اور مذہب کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں اور ان کی زندگی کے انداز اور معیار بھی الگ الگ ہیں، ترتیب جدید دے کر سوشلسٹ نظام کی تشکیل کے نئے اور محیّر العقول کام میں جوتا جائے۔

ان لوگوں کی قلبِ ماہیت کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے ہیں اور تبدیلی کی رفتار بھی یکساں نہیں رہی۔ بہرحال یہ طریقے اتنے برملا اور شدید ضرور تھے کہ ان کی بدولت ۱۹۵۶ء تک چین کی وسیع کسان آبادی پر کاشت کا کوآپریٹو نظام عائد کر دیا گیا اور اسی سال تجارت اور صنعت کو بھی سوشلزمی

کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ حالانکہ ان کا فرض تھا کہ وہ ان مسلمانوں کی خبر لیتے اور اپنے وفود اور سفارت خانوں کے ذریعہ ان کے حالات سے باخبر رہتے، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ باکو، عشق آباد اور ماسکو ریڈیو سے اسلام پر پے بہ پے حملے ہوتے ہیں اور اسے رجعت پسند اور سرمایہ داروں کا حامی بتایا جاتا ہے اور مسلم ممالک کے ریڈیو کسی بات کا جواب نہیں دیتے تو ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ چینی مسلمانوں کے تحفّظ کے لیے حکومتی سطح پر کوئی اقدام کریں گے اور انھیں موجودہ مصائب سے نجات دلانے کے لیے اپنے سیاسی اثر سے کام لیں گے۔ روس کے کمیونسٹ اسلام پر حملہ آور ہونے میں بھی تامّل نہیں کرتے مگر مسلم ممالک کو مدافعت میں بھی تکلف محسوس ہوتا ہے چین کے مسلمانوں کو جس رفتار سے فنا کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر ان کا معاملہ چین کا گھریلو اور داخلی معاملہ نہیں رہتا بلکہ انسانیت کا بین الاقوامی معاملہ بن جاتا ہے، جنوبی افریقہ کی رنگدار آبادی کی مظلومیت پر احتجاج کرنے والوں کو چینی مسلمانوں پر بھی توجہ دینی چاہیئے۔ اگر اس تحریک کو زیر نظر کتاب سے تقویت مل سکی اور اسے پڑھ کر چینی مسلمانوں کی اہمیت محسوس کی گئی تو ہم سمجھیں گے کہ مولف کی کوشش کامیاب ہوئی اور کتاب کا مقصد پورا ہوا۔

فارقلیط

دہلی

۱۱ مئی سنہ ۱۹۶۱ء

کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کرتی ہے اور ہر قومی اقلیت کے، اپنی آزاد ریاست قائم کرنے کے حق کو بھی تسلیم کرتی ہے .... یہ اقلیتیں اگر چاہیں تو چینی سوویٹوں کی یونین میں شامل ہو سکتی ہیں اور اگر چاہیں تو اس یونین سے الگ ہو کر اپنے حسب منشا اپنی ریاست قائم کر سکتی ہیں"

اس کے بہت دن بعد ۱۹۴۵ء میں ماؤسی تنگ نے کمیونسٹوں کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے ایک بیان میں کہا کہ چینی عوام "چین کی نسلی اقلیتوں کے تئیں بہتر سلوک کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان اقلیتوں کو حقِ خود ارادیت حاصل ہونا چاہیئے اور یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ رضا کارانہ بنیادوں پر ہن قوم کے ساتھ یونین قائم کر سکیں"

بہر حال جونہی ۱۹۴۹ء میں چینی کمیونسٹ برسر اقتدار آئے" حق خود ارادیت" اور " رضا کارانہ بنیادوں پر ہن قوم کے ساتھ یونین" کی ساری گفتگو بالائے طاق رکھ دی گئی۔ اس کی جگہ ۱۹۴۹ء کے مشترکہ پروگرام میں " ایسے علاقوں میں جہاں قومی اقلیتیں جمع ہیں علاقائی حکومت خود اختیاری" کا مبہم سا ذکر ہی ملتا ہے " علاقائی حکومت خود اختیاری" کی وضاحت کے لیے ۱۹۵۲ء کے قانون کا انتظار کرنا پڑا۔ اس قانون نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی کہ چینی کمیونسٹ

بنا دیا گیا۔ پروپیگنڈے کی متواتر مہموں نے جوں ہی سزاؤں سے بھی کام لیا گیا اور مفیدِ مطلب قسم کی مثالیں قائم کرنے سے بھی، دانشور اور پیشہ ور طبقوں کو یہ سبق اچھی طرح سکھا دیا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی چین کو سوشلزمی بنانے کے پروگرام کی کوئی مخالفت برداشت کرنے کی روادار نہیں۔

نام نہاد "اقلیتی قوموں" کی قلبِ ماہیت کے معاملے میں چین کے کمیونسٹوں کو متعدد مخصوص مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چین میں پینتالیس کے قریب اقلیتی نسلیں آباد ہیں جو واضح طور پر غیر چینی ہیں۔ ان کی مجموعی آبادی ساڑھے تین کروڑ ہے وہ مختلف زبانیں بولتی ہیں اور ان کی بود و باش ہن چینیوں سے نمایاں طور پر مختلف ہے۔ "نجات" سے پہلے چینی کمیونسٹوں نے ایسے بیان جاری کیے تھے جن میں اقلیتی قوموں کو "حقِ خود ارادیت" کا یقین دلایا گیا تھا۔ مثال کے طور پر ۱۹۳۱ء میں ماؤسی تنگ کی زیرِ سرکردگی کمیونسٹوں نے کیانگسی کے مقام پر جو چند روزہ چینی سوویٹ ری پبلک قائم کی تھی اس کے آئین میں مندرجۂ ذیل دفعہ موجود تھی:۔

"چین کی سوویٹ حکومت چین میں قومی اقلیتوں

ایک کروڑ مسلمان

اُن اقلیتوں میں جنھیں ضم کر کے سوشلسٹ سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے ایک کروڑ کے قریب مسلمان بھی ہیں جو زیادہ تر دو نسلی گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک گروپ ہوئی کہلاتا ہے جس کے افراد چین کے متعدد حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں دوسرا اوئگھر جس کے افراد کچھ ملتے جلتے چھوٹے چھوٹے مسلم قبائل کے ساتھ سنکیانگ میں رہتے ہیں جو چین کے شمال مغرب میں واقع ہے چینی کمیونسٹوں کو اچھی طرح احساس ہے کہ اسلام مشرقِ وسطیٰ اور دنیا کے بعض دوسرے حصوں میں ایک زبردست سیاسی قوت ہے لہٰذا انھوں نے اس بات کی سرگرم کوشش کی ہے کہ مسلم آبادی سے نبٹنے میں پوری احتیاط سے کام لیا جائے۔ مارکسی اپنے اس عقیدے کو چھپانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے کہ مذاہب داخلی مظاہر ہیں جو آدمی کے جذبۂ عدمِ استحکام کی پیداوار ہیں۔ جب آدمی مستقبل کے غیر طبقاتی کمیونسٹ سماج میں

نہ تو حقِ خود ارادیت دینے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں اور نہ حکومت خود اختیاری قسم کی کوئی چیز ہی۔ اس قانون کی دوسری دفعہ ذیل ہے :-

"حکومتِ خود اختیاری جہاں کہیں بھی موجود ہے، وہ خطہ چین کی عوامی جمہوریت کے علاقے کا جزوِ لاینفک ہے۔ ہر خطّے کی قومی حکومتِ خود اختیاری کے خود مختار ادارے ایک طرح سے حکومت کے مقامی ادارے ہیں جو مرکزی عوامی حکومت کی متحدہ قیادت کے تحت اور عوامی حکومت کے دوسری سطح کے اعلیٰ تر اداروں کی زیرِ رہنمائی کام کرتے ہیں"

اس کا مطلب یہ ہے کہ نام نہاد خود مختار اقلیتی حکومتی یونٹوں کے فیصلوں پر ہن چینی حکومت کے اداروں اور کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے خطِ تنسیخ پھیرا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومتِ خود اختیاری ایک لفظِ بے معنی ہے اور واقعتاً مرکزی حکومت کا کنٹرول نافذ کرنے کا ایک وسیلہ۔ کمیونسٹ لیڈر لوہان کے لفظوں میں " قومی اقلیتوں کے علاقوں میں حکومتِ خود اختیاری قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مادرِ وطن کی وحدت کو مستحکم تر بنایا جائے۔"

حیثیت سے چین کے دوسرے باشندوں سے ہمیشہ ہی الگ رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف ان کا مذہب اور مخصوص طریقِ زندگی ہی نہیں بلکہ ان کے نسلی اور نسبی امتیاز بھی ہیں جن پر وہ بڑے نازاں ہیں لیکن "نجات"، کے بعد مسلمان یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکے کہ قومی فخر اور مذہبی رسوم اگر سوشلزم کے فروغ کے راستے میں حائل ہوں تو موجب بازداش بھی بن جاتے ہیں۔ چین کے گوشے گوشے میں ہزاروں تربیت یافتہ ہن کارکن بھیجے گئے ہیں جنھیں مرکزی حکومت نے وسیع ترین اختیار سونپ رکھے ہیں۔ ان کا مقصد طے شدہ پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ خواہ ان کا تعلق زرعی اصلاحات سے ہو، خواہ زراعت کے ادغام سے اور خواہ کاروبار کو سوشلزمی بنانے کی مہم سے۔ "باغیوں" "انقلاب دشمنوں"، "چیانگ کائی شیک کے ایجنٹوں" اور "بورژوا دانشوروں" کے خلاف جہاد کرنا بھی انھیں کے فرائض میں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص جو کمیونسٹ پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھائے اس جہاد کا ہدف بن جاتا ہے۔ یہ کارکن مقامی آبادی کے کارکنوں کو تربیت بھی دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے اپنے ہم قوموں میں کمیونسٹ پالیسیوں کا نفاذ کر سکیں۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسلمانوں کے روایتی نظامِ زندگی

اپنے ماحول کا آقا بن جائے گا تو مذاہب ختم ہو جائیں گے لیکن کمیونسٹ مذہب کی اخلاقی قوت کو تسلیم کرتے ہیں اور ظاہری طور پر اسلام اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو برداشت کر لیتے ہیں۔ کمیونسٹ اس بات کا بڑا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان کے آئین نے مذہبی عقائد کی آزادی دے رکھی ہے۔

بہرحال زور "عقیدے" پر ہے۔ چین کی کمیونسٹ حکومت نے اپنے عمل سے یہ بات ظاہر کر دی ہے کہ مذہبی عقیدہ سوشلسٹ انقلاب میں مزاحم نہیں ہو سکتا۔ مذہبی رجحان رکھنے والے از روئے عقیدہ جو بھی چاہیں مان سکتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انھیں اپنے عقائد کے مطابق عمل کرنے کی بھی آزادی ہے۔

چین کے کمیونسٹوں اور چین کی مسلم اقلیتوں کے درمیان نقطۂ تصادم یہی مسئلہ ہے۔ اسلام ایک مذہب ہی نہیں بلکہ نظامِ زندگی بھی ہے۔ اس کے ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرّہ کی زندگی میں ایسے کئی اوامر و نواہی کی پابندی کریں جن کا تعلق مذہب سے بھی ہے اور خورد و نوش سے بھی۔ مسجد ایک قومی مرکز ہے جس کا امام قوم کی روحانی بہبود کا بھی نگراں ہے اور اہم اہم خانگی اور سماجی مواقع پر بھی رہنمائی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ مسلمان اپنے قوم کی

قریب ناممکن تھا۔ مزید برآں جو زمین پشتہا پشت سے مسجدوں کی ملکیت تھی اشتراکی نظامِ کاشت کا حصّہ بنا دی گئی۔ یہ اماموں کو ان کی معاش سے محروم کرنے کا بالواسطہ طریقہ تھا اور اس طرح خود نظامِ اسلام پر ایک ضرب تھی۔ اسلام کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کے لیے ایک طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مدرسوں میں مذہبی تعلیم پر پابندی لگا دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بچّوں کو مارکس اور لینن کے اصولوں سے تو آگہی ہونے لگی لیکن اپنے اجداد کے دین کے متعلق ان کی معلومات بہت ناقص ہیں۔

ان "اصلاحات" کے جبری نفاذ کے علاوہ کمیونسٹ حکومت نے ایک قدم یہ بھی اٹھایا ہے کہ ان علاقوں، بالخصوص کانسو اور سنکیانگ میں، جہاں مسلم قبائل اور خانہ بدوش آباد تھے، بہت بڑی تعداد ہن چینیوں کی بھی آباد کر دی ہے۔ اس جبری ہجرت کا جواز پیدا کرنے کے لیے کمیونسٹ بسا اوقات یہ دلیل دیتے ہیں کہ اقلیتی علاقے اگرچہ چین کی تمام دھرتی کے ۶۰ فی صدی حصّے پر مشتمل ہیں لیکن وہ چین کی آبادی کے صرف سولھویں حصے کے کفیل ہوتے ہیں۔ مزید برآں یہ علاقے قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں اور گزشتہ چند برسوں میں حکومت نے وہاں علم

میں بلا کی ابتری پیدا ہو گئی ہے اور جیسا کہ چینی اخباروں کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے اس کی بنا پر مسلمانوں کے دلوں میں بے پایاں نفرت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ اقلیتی علاقوں میں جو کمیونسٹ کارکن بھیجے گئے انھوں نے اس بات کی کچھ زیادہ پروا نہیں کی کہ مرکزی کمیونسٹ حکام کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں وہ کس قسم کے ہیں یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ ہن چینی اقلیتی نسلوں کے مقابلے میں اپنے احساس برتری کو کبھی نہیں چھپاتے جنھیں وہ غیر مہذب بھی سمجھتے ہیں اور پسماندہ بھی۔ مزید برآں ان کارکنوں پر اوپر سے بھی مسلسل دباؤ پڑتا رہتا ہے کہ احکام کو جلد از جلد عملی جامہ پہنایا جائے۔ خواہ اس معاملے میں اقلیتوں کی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑے۔ مرکزی حکّام اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ جن لوگوں کے نظامِ زندگی میں ابتری پیدا ہو گی وہ مخالفت بھی کریں گے۔ زرعی اصلاحات خود چین میں بھی کم سخت نہیں تھیں پھر مسلمانوں کے معاملے میں ان کی سختی کس طرح کم ہو جاتی۔ زراعت کا ادغام ہن کسانوں کے لیے بھی تکلیف دہ تھا اس صورت میں مسلم شکاریوں اور چرواہوں کے لیے اس کا اذیّت ناک ہونا قابلِ فہم ہے کیونکہ یہ لوگ کانسو اور سنکیانگ کی چراگاہوں اور پہاڑیوں کی آزاد زندگی کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ کڑی پابندیوں کو برداشت کرنا ان کے لیے قریب

• مذہبی عقائد کی آزادی کی اجازت کمیونسٹوں کے ہاتھ میں ایک موثر اور آسان فارمولا بن گیا ہے جس کی مدد سے وہ دینی امور میں قدم قدم پہ رخنے ڈال سکتے ہیں تاکہ بالآخر خود مذہب کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیں اور پھر مسلمانوں کو یہ ذلت بھی برداشت کرنا پڑی کہ ہن آباد کاروں نے ان کے وطن پہ حملہ کیا اور اس کے وسائل کو مقامی آبادی کے بجائے اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا۔ پھر ان آباد کاروں کی یہ روش بھی کم تکلیف دہ نہیں کہ وہ مقامی آبادی کو پسماندہ، غیر ملکی اور اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں۔

طبقات الارض کے ماہروں، کانوں کی کھوج لگانے والوں اور
زرعی اور صنعتی ماہروں کی بہت بڑی تعداد بھیجی ہے تاکہ وہ
معدنیات، تیل اور کوئلے کی کھوج لگا کر انھیں ترقی دیں اور
ریاستی فارم اور صنعتیں قائم کریں۔ اس کے ساتھ ہی مشرقی ساحلی
علاقوں کے لاکھوں ہن چینی بھی اقلیتی علاقوں میں منتقل کر دیے
گئے ہیں جن میں تربیت یافتہ کاریگر، عام مزدور، دوکاندار،
صنعت کار حتیٰ کہ سیلانی تک شامل ہیں۔ ان لوگوں کو وہاں اس
لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ نئی فیکٹریوں، فارموں اور تیل کے کارخانوں
میں کام کریں، زمینوں کو قابل کاشت بنائیں اور بڑھتی ہوئی
آبادی کی ضرورتوں کو پورا کریں۔

مسلمانوں کو رفتہ رفتہ اس حقیقت کا احساس ہوگیا ہے کہ
کمیونسٹوں نے ان سے دھوکا کیا ہے۔ انھیں معلوم ہوگیا ہے کہ
خود ارادیت کے متعلق کمیونسٹوں کے قبلِ نجات کے وعدے
خالی خولی باتیں تھیں اور "علاقائی حکومتِ خود اختیاری صرف ایک
مصنوعی اصطلاح ہے جس سے حقیقی صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"[1]

[1] مسلمانوں کی اس شکایت کا حوالہ کانسو سے شائع ہونے والے روزنامہ "لانچو" نے
اپنی ۲۳ جنوری ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں دیا تھا۔

کافی تعداد کو قیدی بنا کر لایا جاتا تھا اور چین میں آباد کر دیا جاتا تھا جہاں وہ فاتحین کے لیے مزدوروں اور کاریگروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے یا تنخواہیوں کی حیثیت سے انکی فوجوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے نئے ماحول میں رچ بس گئے اور وہاں کے مستقل باشندے بن گئے۔ بالآخر انھوں نے ہن عورتوں سے شادیاں بھی کرلیں اور اپنی اصل زبانوں فارسی اور عربی کو خیرباد کہہ کر چینی بولنے لگے لیکن پرانی زبانوں کے کچھ الفاظ ان کی بول چال میں شامل رہے۔

ایک چینی جریدے " نیو کنسٹرکشن " (۳ر نومبر ۱۹۵۷ء) میں تحریر ہے کہ " تاریخی حالات نے ہوئی لوگوں کے لیے ہن زبان کا استعمال ضروری بنا دیا " لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ " ایسے الفاظ اور مصطلحات ان کے استعمال میں ہمیشہ رہے ہیں جو ہن زبان کے نہیں بلکہ فارسی الاصل یا عربی الاصل ہیں اور اس جذبے کی غمازی کرتے ہیں کہ ہوئی لوگوں کی اپنی اصلی زبان اب تک موجود ہے "

اسی مضمون میں ہوئی قوم کی " نمایاں مشترک نفسیاتی خصوصیات " کا ذکر بھی کیا گیا ہے :۔

" جہاں تک ہوئی قوم کے تمدن کی مشترک نوعیت

نسلی سلسلے

۱۹۵۷ء میں چین کے مسلمانوں میں بے چینی کی جو لہر اُبھری اس کی روداد بیان کرنے کے لیے چینی اخباروں کی ورق گردانی کرنے سے پہلے یہ بہتر ہوگا کہ متعلقہ مسلمان قوموں کا نسلی اور تاریخی پس منظر مختصراً بیان کر دیا جائے۔

ہوئی مسلمان چین کے مختلف حصوں میں رہتے ہیں لیکن ان کی بیشتر آبادی کانسو اور ہوپئی کے صوبوں میں آباد ہے۔ ان کی مجموعی تعداد پینتیس لاکھ پچاس ہزار ہے اور وہ چین میں تیسری بڑی نسلی اقلیت ہیں۔ ایک نظریے کے مطابق جس کی تائید کمیونسٹ بھی کرتے ہیں یہ مسلمان ایشیائے کوچک، ایران اور عرب کے ان قبائلیوں کی اولاد ہیں جو چنگیز خاں اور اس کے وارثوں کے حملوں کے جلو میں، تیرھویں صدی میں چین لائے گئے۔ ہر کامیابی کے نتیجے کے طور پر مقامی باشندوں کی

L6169

منطق شامل ہیں۔ کبھی کبھی علمِ نجوم اور اسلامی نظامِ
تقویم کو بھی نصاب میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

ہوئی قوم میں قومی بیداری کی اہلیت نمایاں طور
پر موجود ہے، بسا اوقات اس کا اظہار ان کی قومی وحدت
میں ہوتا ہے۔ ہوئی لوگ اکثر کہتے ہیں: "دنیا کے ہوئی
ایک خاندان ہیں" .... ہوئی قوم کی مشترک نفسیاتی خصوصیات
کا جو ذکر اوپر کیا گیا، ان میں نمایاں ترین خصوصیت ان کا
قومی احساس خودی ہے۔"

جہاں ہوئی مسلمان چین کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے
ہیں وہاں مسلمانوں کا دوسرا اہم گروہ یعنی اویگھر ایک ہی جگہ آباد ہے
یعنی چین کے شمال مغربی صوبے سنکیانگ میں۔ اس صوبے کی
پوری آبادی چھیالیس لاکھ ہے اور اس کا نوے فی صدی حصّہ
اویگھروں اور ان سے ملتی جلتی مسلم قوموں، قازقوں، ازبکوں اور
تاتاریوں پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ ملی جلی ترک اور منگول نسل سے
تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مشرق اور مغرب کی ایسی متعدد نسلوں کی اولاد
ہیں جن کی ہجرتیں اور فاتحانہ یلغاریں سنکیانگ پر سے، جسے
راستہ دینے والی دھرتی کہا جاتا ہے اور جہاں سے چین اور

کا تعلق ہے اس کا پہلا اور مخصوص ترین پہلو ان لوگوں کی مذہبی زندگی ہے، یعنی اسلام پر ایمان۔ یہ صرف مذہبی عقیدے کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کا تعلق روزمرہ کی زندگی کے متعدد پہلوؤں سے ہے:

جب کسی ہوئی خاندان میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو فوراً ہی اس کا اسلامی نام رکھنے کے لیے مُلّا کو بلایا جاتا ہے جب بچہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوتا ہے تو اسے قرآن پڑھنے کے لیے مسجد میں بھیجا جاتا ہے۔ اس کی شادی کے وقت بھی مُلّا ہی تمام رسوم ادا کرتا ہے۔ جب وہ کمانے لگتا ہے تو شرعاً اسے غریبوں کی مدد کے لیے اپنی آمدنی کا کچھ حصہ نقدی اور اجناس کی صورت میں دینا پڑتا ہے۔ جب کوئی شخص مرتا ہے تو اس کی نمازِ جنازہ بھی مُلّا ہی ادا کرتا ہے۔

ہوئی لوگوں نے اپنی اس تاریخی روایت کو بھی قائم رکھا ہے کہ عربی اور فارسی علوم کا مطالعہ کیا جائے مطالعے کے دائرے میں دونوں زبانوں کی صرف و نحو، فنِ خطاطی، احادیث نبوی، قرآن، اسلامی قانون، ادب اور

سمجھتا تھا اور ایک مدت تک رسل و رسائل اور قدرتی ذرائع کے معاملے میں قابل قدر مراعات حاصل کرنے کے لیے وہ سنکیانگ کے لیڈروں سے سازشیں کرتا رہا۔ جب زار کا دور دورہ ختم ہوا تو سوویٹ یونین بھی اسی کے نقشِ قدم پہ چلنے لگا۔ "نجات" سے پہلے روسی کمیونسٹوں نے متعدد موقعوں پہ قوم پرست چین کے ساتھ سمجھوتے کیے اور مسلم بغاوتوں کو کچلنے کے لیے اسے اسلحہ اور بارود دیا۔ اہم بات یہ ہے کہ ان بغاوتوں کی انگیخت بھی در پردہ انھیں نے کی تھی۔

مثال کے طور پر ۱۹۳۳ء میں اوئگھروں نے جنوب مغربی سنکیانگ میں بغاوت کر دی اور مشرقی ترکستان ری پبلک کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس بغاوت کے لیڈروں میں ایک شخص سیف الدین بھی تھا جو ایک اوئگھر مسلمان تھا۔ اس کی تعلیم روس میں ہوئی تھی اور وہ بغاوت میں حصہ لینے ماسکو ہی سے آیا تھا۔ یہ بغاوت بالآخر کچل دی گئی اور اسے کچلنے کے لیے سنکیانگ میں اہم فوجی اور اقتصادی حقوق کے بدلے سوویٹ یونین نے چین کو ہتھیار بھی دیے اور دوسرا سامانِ جنگ بھی۔ ۱۹۴۲ء تک سوویٹ یونین نے اس قسم کی بھونڈی موقع پرستی کی بدولت سنکیانگ کو عملاً اپنے کنٹرول میں رکھا لیکن اس کے بعد مغربی روس پر نازی حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کی تمام سرگرمیاں وہیں مرکوز ہو گئیں اور ۱۹۴۳ء

مغرب کو ملانے والی قدیم راہِ ریشم میں گزرتی ہے، سیل صفت گزرتی رہیں جب چین پر ہن خاندان کی حکومت تھی تو چین نے اس علاقے پر برائے نام بالادستی قائم کرلی تھی لیکن چند صدیوں کے بعد غیر ملکی کنٹرول، جو ہمیشہ معمولی رہا تھا، ختم ہو گیا اور اٹھارویں صدی اور اس کے بعد کے عرصے میں وہاں کئی آزاد حکومتیں اور ریاستیں، جن میں سے بعض دولت اور اہمیت کے اعتبار سے کافی نمایاں تھیں قائم ہوئیں اور ختم ہوئیں۔ قبیلے ٹوٹتے رہے اور از سر نو نئے قبیلے بھی بنتے رہے اور ان کی آزاد ریاستیں بھی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں سنکیانگ پھر اپنی آزادی سے محروم ہو گیا۔ چین نے مسلسل مہم کے بعد اسے پھر فتح کر لیا اور اسے اپنا صوبہ قرار دے لیا۔

اس کے بعد سے سنکیانگ کے عوام ان سیاسی سازشوں کے کھیل میں بدقسمت مہرے بنے رہے ہیں جو بڑی بڑی طاقتیں وسطی ایشیا میں اپنے حلقۂ اثر قائم کرنے اور وہاں کے خام مال سے فائدہ اٹھانے کے لیے کھیلتی رہی ہیں۔ ان کی اس آرزو کو کہ انھیں چین سے از سر نو آزادی مل جائے بڑی بے شرمی کے ساتھ اقتصادی مفاد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

زار کا روس سنکیانگ کو توسیع اور اقتصادی انتفاع کا قدرتی ہدف

کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے، جن کے مقصد کی تائید سنکیانگ میں اب روسی کمیونسٹ بھی کر رہے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں جب کمیونسٹوں نے چین پر اپنا تسلط قائم کر لیا تو سیف الدین الّی کی قوم پرست حکومت کا ترجمان بن کر سامنے آیا اور سنکیانگ کے مسلمانوں کی طرف سے پیکنگ کی نئی حکومت کی مدد کرنے لگا۔

تک سنکیانگ پر چین کا اثر و رسوخ از سر نو قائم ہو گیا۔ اس کے بعد خاتمۂ جنگ پر روسیوں کو پھر فرصت ملی اور انھوں نے از سر نو اپنی سازشیں شروع کر دیں۔ اس سال روسی کمیونسٹوں نے شمال مغربی سنکیانگ کی اِلّی کی وادی میں کئی مسلم بغاوت کی مدد کی۔ چینی فوجوں کو پسپا ہونا پڑا اور مشرقی ترکستان ری پبلک کے نام سے ایک نئی انقلابی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ اس حکومت کا دار الخلافہ اِلّی کی وادی کے ایک مقام کولجا میں تھا۔ اگرچہ اس بغاوت کی کامیابی بنیادی طور پر سوویٹ امداد کی مرہونِ منّت تھی لیکن اس کے لیڈروں کی اکثریت کمیونسٹ ہرگز نہیں تھی۔ وہ صرف قوم پرست تھے جو چین اقتدار سے نجات حاصل کرنے کے آرزومند تھے اور اپنی مقصد برآری کے لیے ہر کسی کی مدد قبول کرنے پر آمادہ تھے بہرحال اس حکومت کے بعض افسر کمیونسٹ یا ہمسفر ضرور تھے۔ مثال کے طور پر سیف الدین ایک بار پھر آدھمکا اور نئی حکومت میں وزیر تعلیم بن گیا۔

پہلے نئی حکومت نے سنکیانگ سے تمام چینیوں کو نکال دینے کا مسلسل پروپیگنڈہ کیا اور چین کی قوم پرست حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام صوبے کو مکمل آزادی دی جائے لیکن رفتہ رفتہ نئی حکومت نے اپنا رویّہ معتدل بنا لیا۔ جو قوم پرست لیڈر سنکیانگ کی آزادی کے لیے لڑے تھے وہ لاپتہ ہو گئے اور ان کی جگہ نئے لیڈروں نے لے لی جو چینی کمیونسٹوں

ہیں بھی اپنی آزادی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔

۱۹۴۹ء میں شمالی سنکیانگ میں رہنے والے چھ قازق قبیلوں کے چالیس ہزار نفوس جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، بارکول شہر کے قریب برف سے ڈھکے ہوئے ایک میدان میں جمع ہوئے۔ وہ اپنے پانچ لاکھ مویشی بھی ساتھ لائے تھے۔ انھوں نے بڑی سنجیدگی سے آپس میں مشورے کیے اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ سنکیانگ کو خیرباد کہیں گے۔ انھوں نے چین سے نکلنے کے لیے تبت کا راستہ منتخب کیا اور دکن کی سمت چل پڑے۔ روسی ہوائی جہازوں کے بہیمانہ حملوں نے انھیں دو علیحدہ ٹکڑیوں میں منقسم کر دیا اور ان میں سے صرف گیارہ ہزار نفوس جن کے ساتھ دس ہزار مویشی تھے اپنی پہلی منزلِ مقصود کانسو تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے جہاں ان کے ساتھی مسلمان اور روایتی حلیف موجود تھے۔ جب کئی مہینے کے بعد کمیونسٹ فوجیں ان کی پناہ گاہ کے قریب پہنچنے لگیں تو مہاجرین ایک بار پھر جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ کمیونسٹوں کے متواتر حملوں سے ان کی کافی تعداد ہلاک ہو گئی چنانچہ جب وہ بالآخر اپنی اصلی منزلِ مقصود تبت کی سرحد پہ پہنچے تو وہ کل ساڑھے آٹھ ہزار نفوس رہ گئے تھے اور ان کے ساتھ چند ہزار مویشی۔ جب انھیں یہ پتا چلا کہ تبت نے انھیں داخلہ دینے سے انکار کر دیا ہے اور انھیں شمال کی جانب ایک بار پھر کوچ

"نجات" کی مزاحمت

اس میں کوئی شک نہیں کہ کمیونسٹوں کی دغا بازی نے سنکیانگ کے مسلمانوں کو بُری طرح مشتعل کر دیا کیونکہ خود کمیونسٹ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے "نجات" کی جو مزاحمت ہوئی اسے کچل دینے میں انھیں کئی برس لگ گئے۔ بیرونی دنیا کو ان مسلمانوں کی مصیبتوں کا بہت ہی کم علم ہوتا ہے کیونکہ سیاح دور افتادہ سرحدی صوبوں میں شاذونادر ہی پہنچتے ہیں اور ایشیا کے قلب سے بھاگ کر راہِ فرار تک پہنچنے کے لیے جو طویل اور صبر آزما سفر کرنا پڑتا ہے اس کا حوصلہ بہت کم مہاجروں کو ہوتا ہے۔ بہرحال سنہ ۱۹۴۹ء میں سنکیانگ کی "نجات" کے تھوڑی ہی مدت بعد قازقوں کی مشہور ہجرت وقوع پذیر ہوئی۔ خود قازق کا لفظ ہی سنکیانگ کے ان جرأت آزما مسلم خانہ بدوشوں کی آزاد منشی کا مظہر ہے کیونکہ قازق کا مطلب ایسا شخص ہے "جس کا کوئی آقا نہ ہو"۔ یہ لوگ نصف صدی تک اپنی وضع زندگی میں غیر ملکی مداخلت کی مزاحمت کرتے رہے تھے لہٰذا اب کمیونسٹوں کے مقابلے

مزاحمت ہمیشہ موجود رہی ہے کبھی خاموش اور کبھی سرگرم جب سے کمیونسٹ برسرِ اقتدار آئے ہیں چین کے اخباروں میں مسلمانوں کی طرف سے سوشلسٹ تبدیلی کی مخالفت کا ذکر متواتر ہوتا رہا ہے، یہ اور بات ہے کہ بالعموم اسے "لوٹنے والوں" اور بورژوا طبقوں کی طرف سے "رجعت پسندانہ" مزاحمت کا نام دیا جاتا ہے مثال کے طور پر کانسو کے روزنامے "لن چاؤ" کی ۱۸ مارچ ۱۹۵۸ء کی اشاعت کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو، جس میں نجات کے کئی برس بعد، کانسو میں مسلمانوں کی مزاحمت کا محتاط لفظوں میں ذکر کیا گیا ہے:-

"جیسا کہ ہر شخص کو معلوم ہے چینی کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی میں لڑنے والی عوامی نجات ہندہ فوج نے کانسو کو دشمن کے ہاتھوں سے شدید لڑائی کے بعد نجات دلائی تھی۔ نجات کے بعد بحالی کا مشکل دور آیا جس کے دوران عوامی حکومت کے استحکام اور صنعت اور زراعت کی بحالی کے لیے ڈاکوؤں اور کیومنٹانگ کے ایجنٹوں کے خلاف بھرپور مہم چلائی گئی اور کرنسی اور قیمتوں کے استحکام اور اضافۂ پیداوار کے لیے متعدد تجاویز اختیار کی گئیں نتیجے کے طور پر جمہوری انقلاب کو نقطۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے، یکے بعد دیگرے پانچ بڑی تحریکیں جاری کی گئیں۔ اس کے بعد تین اور بڑی تحریکیں بغرض اصلاح

کہ کے کشمیر کی طرف جانا پڑے گا اور اس مقصد کے لیے برف سے ڈھکی ہوئی ایک ایسی سطح زمین سے گزرنا پڑے گا جو سمندر سے بارہ ہزار سے پندرہ ہزار فٹ تک اونچی ہے، تو انھیں جس مایوسی اور بے اعتمادی کا سامنا ہوا ہوگا، اس کا قیاس کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ ان کے پاس نہ مناسب غذا تھی نہ پانی۔ موسم کے شدائد نے انھیں ادھ موا کر رکھا تھا اور ہوا بھی سانس لینے کے لیے موزوں نہیں تھی لہذا انھیں ناقابلِ قیاس مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مویشی مر گئے اور یکے بعد دیگرے، بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی مرنے لگیں۔ پہلے شیر خوار بچوں نے دم توڑا، ان کے بعد دوسرے کم عمروں نے اور پھر عورتوں اور بوڑھوں نے۔ تقریباً ایک سال متواتر سفر کرنے کے بعد ان میں سے صرف تین ہزار نفوس کشمیر پہنچ سکے۔ انھوں نے اوسطاً پانچ میل یومیہ سفر کیا تھا۔ بالآخر انھیں ترکی میں آباد کیا گیا۔ بعد کے برسوں میں ان کے ہزاروں رشتہ داروں نے جو سنکیانگ میں رہ گئے تھے، بھاگ نکلنے کی کوشش کی۔ اندازاً ان کی تعداد انیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ لیکن ان میں صرف چار سو نفوس اتنے خوش قسمت تھے جو ترکی میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ سکے۔

مسلمانوں کی طرف سے کمیونسٹوں کی مزاحمت کے تمام واقعات اس پُر شکوہ اور المناک انداز میں دنیا کے سامنے نہیں آئے لیکن

"تحریکِ اصلاح" اور مقامی ملت پروری

۱۹۵۷-۵۸ء کے موسمِ خزاں اور موسمِ سرما کے دوران میں چینی کمیونسٹوں کو معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں پر سوشلزم کے جبری نفاذ کی جدوجہد میں "فتح" کی ڈینگ مارنا ان کے لیے ممکن نہیں۔ ۱۹۵۷ء کے موسم بہار میں اصلاح کی جو تحریک طوفانی انداز میں چلائی گئی اس سے کمیونسٹوں کا یہ دلخواہ مقصد پورا نہیں ہوا کہ ان کے حسبِ منشا سوشلزم کے حصول کے طریقوں پر تعمیری انداز میں نکتہ چینی کی جائے بلکہ اس کے بجائے خود کمیونسٹوں کو ہمہ گیر نکتہ چینی کا ہدف بنایا گیا۔

(اقلیتی) نسلوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس بات کے خلاف اپنی دبی ہوئی نفرت کا مظاہرہ کیا کہ ایک اجنبی نسل ان پر ایک اجنبی نظامِ زندگی کا جبری نفاذ کر رہی ہے۔ سیلف گورنمنٹ کو موثر بنانے کے مطالبے کیے گئے اور مسلم علاقوں میں کمیونسٹ پارٹی کی اقتدار پر اجارہ داری اور ہن قوم کے افراد کو زبردستی آباد کرنے کی مذمت کی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ سوشلزم کے تمام پہلوؤں کو تنقید کا ہدف بنایا گیا بلکہ بات یہاں تک پہنچی کہ کچھ مسلمان لیڈروں نے کھل

جاری کی گئیں۔ کوکوان اور لانچو کی ظالمانہ لڑائی ہمارے لیے
اس بات کا ثبوت تھی کہ رجعت پسندوں نے اپنی حکومت ہمیں
نیازمندانہ طور پر پیش نہیں کی بلکہ وہ ایسا کرنے پر ایک خونی جنگ
کے بعد مجبور ہوئے۔ گزشتہ آٹھ سال کے دو انقلابوں نے طبقاتی
جنگ کی حقیقتوں اور بالخصوص گزشتہ سال کی بینیت دشمن
جد و جہد نے ہمیں پختہ یقین دلایا ہے کہ لوٹ کھسوٹ کرنے
والا کوئی طبقہ رضا کارانہ طور پر دوسروں کی لوٹ کھسوٹ سے
باز نہیں آتا اور کوئی طبقاتی دشمن آسانی سے اپنا خنجر نہیں
پھینکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ پانچ بڑی تحریکوں اور ان کے بعد
کی تین مزید تحریکوں میں ہر فتح شدید اور مشکل لڑائی کے بعد
ہی حاصل کی گئی ہے۔"

ہوئی مسلمانوں میں بے چینی

ہوئی مسلمان چین بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک اقلیتی گروپ کی حیثیت سے ان کی وحدت اور یکجہتی کی بنیاد نسل یا علاقے پر نہیں بلکہ مذہب پر ہے۔ ان میں ملت پروری کا رجحان اس شدید نفرت کا نتیجہ ہے جو ان کے دلوں میں اس بنا پر پیدا ہو گئی ہے کہ سوشلزم اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

۱۶ رجنوری ۱۹۵۸ء کو نیو چائنا نیوز ایجنسی نے کانسو کی قومیتی امور کی کمیٹی کے ایک اجلاس کی طویل روداد نشر کی تھی۔ اس اجلاس کا مقصد ہوئی مسلمانوں میں مروّجہ مقامی ملت پروری کو "بہیم تنقید" کا ہدف بنانا تھا۔ نیو چائنا نیوز ایجنسی کی رپورٹ میں درج ہے :-

"اس اجلاس کی رائے میں مقامی ملت پروری کانسو کے اقلیتی علاقوں میں صرف عام ہی نہیں بلکہ شدید بھی ہے۔ اس ملت پروری کے مظاہر سے زیادہ تر ان شکلوں میں ہوتے ہیں۔ (۱) پارٹی کی لیڈرشپ اور سوشلزم کی تعمیر کی مخالفت۔

آزادی اور چین سے کامل علیحدگی کے مطالبے شروع کر دیے۔
کمیونسٹ تشویش میں پڑ گئے، ملت پروری کو جسے نئے انحراف کا نام
دیا گیا تھا "موجودہ دور کا خطرناک ترین نظریاتی رجحان" قرار دیا گیا۔ یکایک
اخباروں میں شکایتوں اور جوابی شکایتوں کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ملت پروری
کے حامیوں کی دلیلوں کو مشق کا پتلا بنا کر کھڑا کر دیا گیا جسے کمیونسٹ دلائل سے
پاش پاش کرنا فرض منصبی بن گیا۔ اس عمل سے بیرونی دنیا کو اکھاڑے کے
اندر جھانک کر اس اضطراب کا مشاہدہ کرنے کا موقع مل گیا جو چین کے
مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے۔

خاص سلوک کا مطالبہ کیا اور اس مطالبے میں سے مقامی ہن قوم کو علیحدہ کر دیا۔ (۴۷) مادرِ وطن کے تصور اور جماعتی نقطہ نگاہ کو پس پشت ڈال کر کچھ لوگوں نے کہا کہ دنیا بھر کے ہوئی ایک خاندان ہیں۔ چین ہوئی قوم کی مادرِ وطن نہیں۔ ہوئی قوم کی زبان عربی ہے ..... اس بات پہ زور دیتے ہوئے کہ نشانِ منزل قرآن ہے، کچھ لوگوں نے سوشلسٹ طریقے کی واقعی مخالفت کی۔ قرآن صرف ایک مذہبی صحیفہ ہے جو ہوئی قوم کے سیاسی نشانِ منزل سوشلزم کی جگہ کبھی نہیں لے سکتا۔"

آگے چل کر اس رپورٹ میں اسلام کے تئیں کمیونسٹوں کے رویے کی وضاحت بھی کی گئی ہے :۔

"مذہبی عقیدے کی آزادی ہمارے آئین میں درج ہے لیکن مذہبی حلقوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک سے محبت کریں اور سوشلزم کی سرگرم تائید کریں..... اس اجلاس کے خیال میں دو تصورات یعنی مذہب اور ملت پروری میں خطِ امتیاز کھینچنا ضروری ہے ... جن علاقوں میں ہوئی قوم کے لوگ آباد ہیں وہاں کچھ لوگ عربی کو ابتدائی سکولوں کے نصابِ تعلیم میں شامل کر لیتے ہیں۔ یہ مذہب اور ریاستی تعلیم کو خلط ملط کرنے کی کوشش ہے۔ عربی کا مطالعہ ایک مذہبی کام

ہے کہ سوشلزم نے ہر چیز کو گڑبڑ کر دیا ہے اور قومیتوں کی امتیازی خصوصیات کو ملیا میٹ کر دیا ہے، کچھ لوگ منصوبہ بند فروخت اور کاروبار کی پالیسی کو بھی بدنام کرتے رہے ہیں اور یہ کہتے رہے ہیں کہ اس نے مسجدوں کے دروازے پر تالے ڈال دیے ہیں بعض نے یہ جھوٹ پھیلایا کہ زراعتی کوآپریٹو اداروں سے جو اناج خریدا جاتا ہے وہ انسانوں کے کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ چراگاہوں والے علاقوں میں کچھ لوگوں نے جاگیردارانہ اور پسماندہ باتوں کے تحفظ کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں سوشلزمی تبدیلی کی مخالفت کی ہے۔ (۲) انھوں نے ان ترقی پسند افراد کی مذمت کی ہے جو پارٹی میں شامل ہوئے یا اس کا ساتھ دیا۔ ایسے ترقی یافتہ افراد پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے ذاتی شان و شوکت کے لیے مذہب سے غداری کی ہے، اور یہ کہ وہ ہوئی قوم کے غدار ہیں، وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ قومیتوں کی علاقائی خودمختاری کا مطلب صرف یہ ہے کہ گھر کا انتظام تو اقلیتی قوم کے لوگ چلائیں لیکن اس کے مالک ہن لوگ بن جائیں، اور یہ کہ اقلیتوں کے لیے علاقائی خودمختاری کسی طرح بھی سودمند نہیں، . . . (۳) انھوں نے ایسی تقریریں کیں جن سے ملک کی وحدت کو ضعف پہنچے۔ انھوں نے اقلیتوں کے لیے

"مذہب کے سلسلے میں پالیسی کو عملی جامہ پہناتے وقت وہ "حفاظت"
اور "آزادی" پر بہت زور دیتے ہیں اور ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ مذہب
کوئی ایسی چیز ہے جس میں مداخلت ہو ہی نہیں سکتی "حفاظت" کا
یہ عالم ہے کہ مذہبی حلقوں کے کچھ لوگ نہ قانون کا لحاظ کرتے ہیں
اور نہ ملک سے محبت۔ انھیں اجازت ہے کہ وہ ریاستی کاروبار
کو درہم برہم کر دیں، سوشلزمی تبدیلی کی مخالفت کریں اور انقلاب
دشمن سرگرمیاں جاری رکھیں "آزادی" اس قدر ہے کہ لوگ
جس چیز کی چاہیں تبلیغ کر سکتے ہیں۔ وہ زبردستی خیرات طلب
کر سکتے ہیں وہ مذہبی آزادی سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں اور اس کے
ساتھ ہی دوسرے لوگوں کو اس آزادی سے محروم کر سکتے ہیں
کہ وہ کسی بھی مذہب میں یقین نہ رکھیں..... نتیجے کے طور پر یہ
ناجائز رواج عام ہو گیا ہے کہ مذہب کو ریاست پر فوقیت
حاصل ہے ... بعض لوگ تو یہاں تک آگے بڑھ گئے ہیں
کہ وہ انقلاب دشمنوں کو کچلنے کی یہ کہہ کر مخالفت کرتے ہیں کہ
انقلاب دشمنوں کو کچلنا قومی اقلیتوں کو کچلنا ہے۔ واقعہ یہ ہے
کہ یہ لوگ پارٹی کی قیادت سے انکار کرنا چاہتے ہیں"
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانسو میں مقامی مسلم کا مرثیہ زراعت اور یوریشی

ہے جو مسجد ہی میں کیا جاسکتا ہے .... عربی کا مطالعہ ہوئی قوم
کے مفاد میں نہیں ۔"

اسی قسم کی ایک کانفرنس صوبہ ہوپے کے ان علاقوں میں ہوئی جہاں ہوئی آباد ہیں۔ روزنامہ ہاؤمنگ (ہوپے۔ ۲۰ جنوری ۱۹۵۹ء) کی روداد کے مطابق کانفرنس کے مندوبین نے اس بات کی تعریف کی کہ ہوپے کی بیشتر اسلامی مسجدوں نے زراعت کے کوآپریٹو اداروں میں شمولیت کر لی ہے اور یہ اجازت دے دی ہے کہ ان کی مملوکہ زمینوں کو ان اداروں میں مدغم کر لیا جائے اور یہ کہ بہت سے امام رضاکارانہ طور پر کوآپریٹو اداروں میں سود مند محنت کر رہے ہیں۔"

مندوبین کا کہنا تھا کہ مقامی باشندے "یہ الزام غلط لگاتے ہیں کہ مسجدوں کی زمینوں کو ضبط کیا جا رہا ہے اور اسلام کو بہت جلد مٹا دیا جائے گا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ کمیونسٹ حکومت کے مسلم کارکن اسلام کے سلسلے میں کمیونسٹ پالیسیوں کے جبری نفاذ کے کچھ زیادہ آرزومند نہیں۔ کانسو کے روزنامہ "لانچو" نے اپنی ۲۳ جنوری ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں کانسو کے نائب گورنر ماچینگ نین کا ایک طویل مضمون شائع کیا ہے جس میں اس نے مقامی کارکنوں کی بے پرواہی کی شکایت کی ہے۔ ماچینگ نین بڑا ئے نام مسلمان بھی ہے۔ اپنے اس مضمون میں اس نے لکھا ہے :۔

ہے لیکن بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "قومی اقلیتوں کے علاقوں کی اقتصادی حالت اتنی کمزور ہے کہ مشترک خرید کے نشانوں کو پورا کرنا ممکن نہیں، وہ کھالوں، اون اور اس قسم کی دوسری چیزوں کی مشترک خرید کی مجہول مخالفت بھی کرتے ہیں۔"

کمیونسٹ حکومت کے خلاف شکایتیں دوسرے علاقوں کی ہوئی آبادی کی طرف سے بھی موصول ہوتی ہیں مثلاً اندرونی منگولیا کے دارالخلافے ہوہی ہاٹ سے مندرجۂ ذیل اطلاع موصول ہوئی جو روزنامہ "نے مینگ کو" کی ۴ ۲ر فروری ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں شائع ہوئی:۔

"جب بورژوا ایمپیوں نے اصلاح کی تحریک سے ناجائز فائدہ اٹھا کر پارٹی پر جنونانہ حملے کیے تو ہوئی قوم کے مقامی ملت پروروں نے بھی انتہائی سرگرمی کا ثبوت دیا۔ انھوں نے پارٹی پر معاندانہ حملے کیے، تومیتوں کے لیے جو کام کیا گیا ہے اسے باطل ٹھہرایا اور پارٹی کے خلاف ہوئی قوم میں بے اطمینانی پھیلانے کی کوشش کی۔ ان سب باتوں کا درپردہ مقصد یہ تھا کہ ہوئی قوم میں پارٹی کی قیادت کو ختم کیا جائے .... انھوں نے معاندانہ طور پر پارٹی کے ہوئی ممبروں کو 'خفیہ ایجنٹوں' اور 'سرخوں' کا نام دیا اور ان پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے ہوئی قوم کے مفاد سے غداری کی ہے۔

پالنے کے پیشے کو اشتراکی بنانے میں رکاوٹ ڈالنے کے قصوروار بھی ہیں ۔ماچینگ تین نے اپنے مضمون میں لکھا ہے :۔

"بعض لوگ کہتے ہیں 'تم زراعت کو کوآپریٹو بنانے کی دہائی دیتے ہو جو ہمارے رواج اور تبتینی چلن کے منافی ہے، اور یہ کہ 'اشتراکیت کا طریق کار ہماری قومی خصوصیات کو تباہ کرتا ہے' ان کا خیال ہے کہ 'زراعت کو مشترکہ بنانے کا کام غیر معمولی تیز رفتاری سے کیا گیا ہے اور کسانوں کا خون نچوڑ لیا گیا ہے۔ ان کی حالت اب اتنی خراب ہے جتنی جاگیرداروں کے دور میں بھی نہیں تھی ...' اس قسم کے مختلف بہانوں کے پردے میں ان کامریڈوں نے یہ احمقانہ دلیل پیش کی ہے کہ 'اقلیتی علاقوں میں سوشلزمی تبدیلی کو عملی جامہ پہنانا ہی نہیں چاہیئے ....' "

ماچینگ تین آگے چل کر تلخ لہجے میں کہتا ہے :۔

"سوشلزمی انقلاب کی طرف معاندانہ رویے کا نتیجہ بالآخر یہ ہوتا ہے کہ ریاست کی اقتصادی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کے معاملے میں عدم توجہی برتی جانے لگتی ہے اور صرف سرسری کارروائی پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ مشترکہ خرید و فروخت کی پالیسی، پارٹی کی بنیادی پالیسی ہے اور یہ سوشلسٹ نظام کے استحکام کی ضمانت

قدر تلخ لہجے میں لکھتا ہے :-

"کچھ مقامی کارندے ایسے ہیں جو ہن کامریڈوں کو اپنے گھر
ٹھہرانے سے انکار کر دیتے ہیں اور مقامی لوگ صرف مقامی
کامریڈوں کی آؤ بھگت کرتے ہیں، ان کے ہن ساتھیوں کی
نہیں .... اس سے بھی زیادہ شدید بات یہ ہے کہ بعض جگہوں
پر مقامی لوگوں نے ہن کامریڈوں اور ہن اشخاص کو بے رحمانہ طریقہ
پر پیٹا بھی ہے ...."

غالباً یہ امر حیرت انگیز نہیں کہ اضطراب زدہ ہوئی اپنے معاملات میں
زیادہ دخیل ہونے کا مطالبہ کر رہے ہیں، کمیونسٹ اخباروں سے پتہ چلتا ہے
کہ کانسو کے ہوئی باشندوں میں یہ نعرہ بہت مقبول ہے "کانسو، کانسو کے
باشندوں کے لیے ہے"، دسمبر ۱۹۵۶ء کو "کانسو ڈیلی" نے اس خطرناک
نظریے کی زبردست مذمت کی۔ اس نے اپنے ایک اداریے میں لکھا :-

"نجات کے بعد آٹھ برسوں میں کانسو پر کانسو لوگوں کی حکومت
کے مطالبے پیہم کیے گئے ہیں۔ کبھی برملا اور کبھی ہیر پھیر سے۔
ان مطالبوں کا مطلب کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ بعض لوگ
جن کے سینوں میں مخفیہ عزائم موجود ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کی
قیادت کی مخالفت کی کوشش کر رہے ہیں اور اس قسم کے

انھوں نے کاروبار کو مشترکہ ریاستی بجی انتظام میں چلانے کی مخالفت کی اور قومیتوں کے مشترک زراعتی کو آپریٹیو اداروں کی یہ کہکر تخریب کی کہ یہ کوآپریٹیو ادارے، امداد باہمی کے اداروں کی طرح سود مند نہیں، ورنہ آزاد کسان گھریلو کاشت چھتے اچھے تو ہرگز نہیں۔"

کمیونسٹ ہیر پھیر سے یہ بات تسلیم کر لیتے ہیں کہ مسلمانوں کی زندگی کٹھن ہو گئی ہے۔ اس قسم کا اعتراف ماچنگ نین کے مضمون کے مندرجہ ذیل اقتباس میں بھی موجود ہے :-

"عوام پہ جو بوجھ پڑے ہیں انھیں نسبتہً قابل برداشت بنا دیا گیا ہے عوام میں تقسیم کے لیے امدادی فنڈوں کی منظوری دی گئی ہے لیکن بعض لوگ اس پہ بھی مسلسل چلا رہے ہیں کہ ریاست ہم سے لیتی بہت کچھ ہے لیکن دیتی بہت کم ہے . . . . ہم پہ نا توجھ ڈالا گیا ہے جو ناقابل برداشت ہے، وہ پارٹی اور حکومت کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر تم نے ہمیں اس سے زیادہ نہ دیا تو ہم قحط سے بچنے کے لیے فرار کر جائیں گے۔"

ہوئی مسلمان ہن کارندوں کی طرف دشمنی کا جو مظاہرہ کرتے ہیں اس کی شکایت اکثر کمیونسٹ کرتے ہیں۔ ماچنگ نین اس کی مثالیں دیتا ہوا کسی

کے ہوئی مسلمانوں نے دو بار بغاوت کر دی تھی اور ایک آزاد حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اخبار نے ان بغاوتوں کی تفصیل نہیں دی تھی لیکن اتنا ضرور کہا تھا کہ ان کی وجہ سے کثیر عوام کو نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ ان بغاوتوں کی انگیخت ایک مسلمان لیڈر ماپائی چینگ چانگ نے کی تھی جس نے "ہر جگہ پارٹی کی قومیتی پالیسی کو بدنام کیا اور ہوئی عوام کو مزید فسادوں پر ابھارا۔" ایک اور مسلمان لیڈر ریوان چانگ چی پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے "ہوئی عوام کو کمیونسٹ پارٹی کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارا اور انھیں مجنونانہ اشتعال دلایا کہ وہ ضلع کے ہیڈ کوارٹروں اور شہروں پر حملے کریں اور ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کرلیں۔" ایک اور ضلع میں کچھ امام آپس میں مل گئے تھے اور انھوں نے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست قائم کرلی تھی اور اپنے اعلان میں کہا تھا کہ کمیونسٹ حکومت "سرتاسر ظلمت ہے" اور کمیونسٹ نظام "فاقوں کا نظام ہے۔"

نعرے لگا کر کہ "کانسو پر کانسو لوگوں کی حکومت ہو" محنت کش طبقے کی صفوں میں انتشار ڈالنا چاہتے ہیں۔۔۔ سولی زے اعلان کرتا ہے "آئندہ چند برسوں میں لانچو میں لانچو کا کوئی شہری باقی نہیں رہے گا" اور یانگ زو ہینگ کہتا ہے "شینسی کی پارٹی اور حکومت کے تمام لیڈر شینسی کے باشندے ہیں لیکن کانسو کی پارٹی اور حکومت کے لیڈروں میں کانسو کا کوئی باشندہ شامل نہیں۔"

"چنگ نین" نے اپنے مضمون میں یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ کچھ ہوئی مسلمان اتنے نامطمئن ہیں کہ وہ اجتماعی ہجرت کی بات سوچ رہے ہیں اور دوسرے کانسو صوبے کی چین سے علیحدگی کے آرزومند ہیں۔ وہ لکھتا ہے:۔

"وہ اعلان کرتے ہیں کہ چین میں گزارے کی کوئی صورت نہیں وہ یہاں تک جسارت کرتے ہیں کہ حکومت سے ہجرت کا برملا مطالبہ کر دیتے ہیں تاکہ "وہ واپس جا کر عرب میں آباد ہو جائیں" ان میں سے بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ "اماموں کی حکومت ایک اسلامی اسٹیٹ قائم کر دے گی۔"

اس قسم کے مطالبے کوئی نئے نہیں۔ مئی ۱۹۵۸ء میں پیکنگ کے "پیپلز ڈیلی" نے پہلی مرتبہ یہ انکشاف کیا کہ ۱۹۵۷ء میں ہونان صوبے

ہوں گے کیونکہ سنکیانگ میں یورینیم کی کانیں ہیں، یہ روس سے قریب تر ہے اور اتنا دور افتادہ ہے کہ دنیا کی متجسس نگاہیں وہاں مشکل ہی سے پہنچ سکتی ہیں۔ اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ کمیونسٹوں نے ہزاروں ہن چینیوں کو زبردستی سنکیانگ میں کیوں بھیج دیا ہے۔ ان میں فوج کے زراعتی اور تعمیری دستے بھی ہیں، جو سنکیانگ میں عوامی نجات دہندہ فوج کے زیر اہتمام بھیجے گئے ہیں۔ یقین کیا جاتا ہے کہ ان دستوں میں اکثریت ان قیدیوں کی ہے جنھیں اصلاح بذریعہ مشقت کے نام پر چین کے سرحدی خطوں میں جبری مشقت کی سزا دی گئی ہے۔ اس قسم کے یلغار صفت داخلوں کی وجہ سے سنکیانگ کی مقامی مسلم آبادی کو کتنی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کا اندازہ چینی اخباروں کی ان رودادوں کے مطالعے سے بآسانی ہو جاتا ہے جو ان میں سنکیانگ میں ملت پروری کے رجحانوں سے متعلق شائع ہوتی ہیں۔ دسمبر ۱۹۵۸ء میں سرجانی سیف الدین نے جو چین کی کمیونسٹ پارٹی کی اویغور خود مختار خطے کی کمیٹی کا سکریٹری ہے، کمیٹی کے ایک اہم اجلاس میں ایک رپورٹ پیش کی جس کا عنوان تھا: مقامی ملت پروری کی سرگرم مخالفت کرو اور سوشلزم کی پرشکوہ کامیابی کے لیے جہاد کرو۔ اس رپورٹ سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ سنکیانگ کے باشندے سوشلزم، کمیونسٹ پارٹی اور ہن قوم کے سرگرم مخالف ہیں بلکہ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ بیشتر سنکیانگ کی از سرِ نو آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

سنکیانگ میں بے چینی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنکیانگ کے مسلمانوں میں بھی کمیونسٹ حکومت کی مخالفت اتنی ہی شدید ہے۔ ان کے نقطۂ نگاہ کے مطابق قابلِ نفرت صرف سوشلزمی نظام ہی نہیں بلکہ انھیں اس بات سے بھی بڑی نفرت ہے کہ نجات کے نتیجے کے طور پر ہزاروں ہن چینی حملہ آوروں کی طرح ان کے علاقے میں وارد ہو گئے ہیں، ان کے وطن کی لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہیں اور خود انھیں گھٹیا اور ماتحت مزدوروں کی حیثیت اختیار کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سنکیانگ میں غیر معمولی تغیر ہوا ہے۔ زمینوں کو قابل کاشت بنایا جا رہا ہے، نئی صنعتیں قائم ہو رہی ہیں، شہروں کی تعمیر ہو رہی ہے، رسل و رسائل کا نظام قائم کیا جا رہا ہے اور زراعت اور جنگلوں کو کارآمد بنانے کے منصوبوں پر بھی عمل ہو رہا ہے۔

باور کیا جاتا ہے کہ چینی کمیونسٹ سنکیانگ میں صنعتوں کا ایک وسیع اور مربوط نظام قائم کر رہے ہیں جس میں غالباً ایٹمی کارخانے بھی شامل

سے مشکل تر ہوتی جا رہی ہے اور اس کی تمام تر وجہ یہاں ہن
لوگوں کی موجودگی ہے .... بہت سے لوگ پیداوار اور تعمیر کے
فوجی دستوں کے خلاف شکایت کرتے ہیں کیوں کہ ان دستوں میں
بیشتر ہن لوگ ہی شامل ہیں۔ بہت سے مفسد رجعت پسند یہاں تک
زبان درازی کرتے ہیں کہ ہن لوگوں کو نوآبادکار اور مقامی قومیتوں
کے اچھے کارکنوں اور اچھے کمیونسٹوں کو ہن لوگوں کے خدمت گزار
گیدڑ قرار دیتے ہیں"

سیف الدین نے سنکیانگ میں ہن لوگوں کے داخلے کا جواز پیش کرتے ہوئے بڑے مبہم لفظوں میں اقتصادی مسئلے کی دلیل پیش کی۔ اس نے کہا :۔

"سنکیانگ میں سوشلزم کی کامیابی اور مقامی لوگوں کے لیے زندگی
کا بہتر ماحول پیدا کرنے کے لیے ہمیں اپنے تمام ذرائع کو استعمال
میں لانا پڑے گا۔ اس میں وہ ذرائع بھی شامل ہیں جو دھرتی کے
اندر ہیں اور وہ ذرائع بھی جو دھرتی کے اوپر ہیں۔ اس مقصد کے لیے
ہمیں اقتصادی تعمیر کے معاملے میں بہت کچھ کرنا پڑے گا لیکن
سنکیانگ میں اس کام کو پورا کرنے کے لیے مناسب اقتصادی اور
ٹیکنکل وسائل موجود نہیں اور نہ موجودہ انسانی وسائل ہی اس
کام کے لیے کافی ہیں۔ ان حالات میں ہن لوگوں کی سنکیانگ میں

سیف الدین نے اپنی رپورٹ کی ابتدا اس طرح کی تھی :۔
"جب سے سوشلسٹ انقلاب شروع ہوا ہے قومی اقلیتوں، بالخصوص قومی اقلیتوں کے دانشوروں میں مقامی ملت پروری کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ کچھ جگہوں پر یہ رجحان بہت نمایاں ہے اور موجودہ دور کا خطرناک ترین نظریاتی رجحان بن گیا ہے۔"
مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس نے اعلان کیا :۔
"گزشتہ ایک سال سے مقامی اقلیتوں کے پارٹی کارکنوں اور دانشوروں میں انتہائی خطرناک غلط رجحان پرورش پا رہے ہیں جن میں سے چند ایک رجحان یہ ہیں۔ ہن قوم سے ناروا امتیاز برتنا اور ان کی بے عزتی کرنا۔ بعض غالی قوم پرستوں نے یہاں تک کوشش کی ہے کہ سنکیانگ سے تمام ہن افراد کو نکال دیا جائے۔ وہ غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ ہن لوگوں نے سنکیانگ پر تباہی نازل کی ہے اور جیسے ہی وہ یہاں سے چلے جائیں گے ہر معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ سوشلزم ہن لوگوں کے بغیر بھی کامیاب ہو سکتا ہے اور ہن لوگوں نے سنکیانگ کو فائدہ کوئی نہیں پہنچایا لیکن نقصان بہت کیا ہے۔ بعض قوم پرست تو بے حیائی سے یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ سنکیانگ میں زندگی شکل

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ "سوشلزمی تغیر کے معاملے میں اناڑی پن کا ثبوت دیا گیا ہے، دوسروں نے یہ کہا ہے کہ زراعت کے ادغام کی تحریک میں اناڑی پن سے کام لیا گیا ہے، اناج کی پالیسی میں اناڑی پن برتا گیا ہے اور یہ کہ اناج اور دوسری اشیائے ضرورت کمیاب سے کمیاب تر ہوتی جا رہی ہیں ....
یہاں اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ سنکیانگ کی قومی اقلیتوں کی مخصوص ضروریات کا ہم کتنا ہی لحاظ کیوں نہ کریں لیکن سوشلسٹ انقلاب اور سوشلسٹ تعمیر کے سلسلے میں ہم مارکس اور لینن کے بنیادی اصولوں کی نفی نہیں کر سکتے اور نہ انھیں تبدیل کر سکتے ہیں .... ظاہر ہے کہ اس قسم کی قومیتی پالیسی ان لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتی جو سوشلزمی طریق کار سے عناد رکھتے ہوں۔ اگر وہ یہ کہیں کہ تمھاری قومیتی پالیسی ہماری آرزوؤں کے مطابق نہیں، تو ہم صرف یہ جواب دے سکتے ہیں کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم عوام میں سے نہیں ہو، اس معاملے میں کسی مفاہمت کی گنجائش نہیں "

سیف الدین کی رپورٹ ان بے شمار مضامین میں سے صرف ایک ہے جو سنکیانگ کے مسلمانوں کی طرف سے سوشلزم کے جبری نفاذ، ہن اعزہ

کام کرنے کے لیے آمد ایک قابل ستائش بات ہے۔"

لیکن روزنامہ "کوانگ منگ" کی ۱۰ اپریل ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں جو ایک مضمون شائع ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سنکیانگ کے مقامی باشندوں پر اس قسم کی دلیلوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مضمون نگار رقمطراز ہے:۔

"قوم پرست کہتے ہیں کہ ہن لوگوں کو سوشلزم کی کامیابی کے لیے سنکیانگ میں نہیں آنا چاہیئے وہ کہتے ہیں کہ ہم خود اپنے کرامائی (تیل کے کارخانے) قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ نہیں چاہتے کہ ان کارخانوں کو ہن لوگوں کی مدد سے ترقی دی جائے انھوں نے اس حد تک کوشش کی ہے کہ اورومچی کے شہر کو قومی بنانے کے لیے، وہاں کے ہزاروں ہن باشندوں کو نکال دیا جائے"

سیف الدین نے یہ بات غیر مبہم طور پر کہہ دی کہ کمیونسٹ اپنی نامقبول پالیسیوں کو واپس لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور نہ وہ ان وعدوں کو پورا کرنے کا ہی کوئی ارادہ رکھتے ہیں جو انھوں نے "خود ارادیت" کے سلسلے میں برسر اقتدار آنے سے پہلے کیے تھے۔ اس نے اپنی رپورٹ میں کہا:۔

"سنکیانگ مادر وطن کا جزو لاینفک ہے۔ اس صورت میں علیحدگی یا آزادی کی باتیں کرنے سے کیا فائدہ؟ اس قسم کی تمام باتیں غلط ہیں بلکہ صرف غلط ہی نہیں، رجعت پسندانہ ہیں ..."

ڈاکوؤں کا مکمل قلع قمع کرنے کے لیے اور انقلابی سوشلسٹ نظام حکومت کے استحکام اور مختلف قومیتوں کے جان و مال کی حفاظت کے لیے عوامی نجات دہندہ فوج نے سلسلہ ہائے ٹین شان کے دونوں طرف معرکے مارے۔ اس فوج نے ٹین شان کی برف پوش پہاڑیاں عبور کیں اور گوبی کے بے برگ و گیاہ بنجر میدانوں کو عبور کیا اور اس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے جس میں سیاسی استدلال بھی شامل تھا اور فوجی جبر و یاداش بھی، اس نے انقلاب دشمنوں پر کاری ضربیں لگائیں ... ۱۹۵۲ء کے ابتدائی مہینوں میں ہی عوامی نجات دہندہ فوج نے مسلح بغاوتوں کو فاتحانہ طور پر کچل دیا تھا۔"

میجر جنرل نے آگے چل کر یہ برملا انکشاف بھی کیا ہے کہ سنکیانگ کے مسلمانوں پر "سماجی اصلاحات" کا جبری نفاذ بھی زیادہ تر عوامی نجات دہندہ فوج نے ہی کیا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ نفاذ کس طرح کیا گیا:۔

"اس مقصد کے لیے کہ محنت کش عوام اپنی نجات کو پورے طور پر مکمل کر لیں عوامی نجات دہندہ فوج نے لگان میں کمی، جابر دشمن زرعی اصلاح اور دوسری سماجی اصلاحوں کے معرکوں میں حصہ لینے کے لیے کارکنوں کی ایک کثیر تعداد بھیج دی۔ یہ کارکن سنکیانگ کے دیہی علاقوں اور دور دراز کونوں میں گئے اور انھوں نے سنکیانگ کے

کی یلغار اور کمیونسٹ پارٹی کی اقتدار پر اجارہ داری کی مخالفت اور ان کی آرزوئے آزادی و علیحدگی کے سلسلے میں چین کے اخباروں میں شائع ہوئے ہیں۔ بہرحال ایک اور رپورٹ ایسی ضرور ہے جس کا ذکر کیا جانا چاہیے کیونکہ اس رپورٹ سے یہ غیر معمولی انکشاف ہوتا ہے کہ عوامی نجات دہندہ فوج نے سنکیانگ میں ایک قابض فوج کی حیثیت سے کیا کارروائیاں کیں اور سوشلزمی اصلاح کے جبری نفاذ کا وسیلہ وہ کس طرح بنی۔

یہ رپورٹ سنکیانگ کے فوجی ضلع کے ڈپٹی چیف آف سٹاف میجر جنرل سوننگ ٹسی یہہ فو کا ایک مضمون ہے جو سنکیانگ کے روزنامہ "اوروچی" کی ۱۰ رجنوری ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ اس فوجی افسر نے اس مضمون میں یہ بتایا ہے کہ سنکیانگ کے عوام کو جبراً نجات دلانے میں فوج نے کیا فریضہ انجام دیا ہے :-

"یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ سنکیانگ کی نجات کے فوراً بعد کیونتانگ کے رجعت پسندوں اور امریکی سامراجیوں نے جو اپنی شکست اور موت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے عثمان، چیانی موکان، یولبارز جیسے ڈاکو سرداروں اور دوسرے ایجنٹوں اور جاسوسوں کے توسل سے سنکیانگ میں مسلح بغاوتیں کرائیں ... ملک اور عوام کو نقصان پہنچانے والے ان جاسوسوں اور

بہت سے دوسرے لیڈروں کو جنھوں نے "ملت پروری کے سلسلے میں شدید غلطیاں" کی تھیں، ان کے جرم کی شدت اور ان کے اعتراف اور پشیمانی کے خلوص کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب سزائیں دی گئی ہیں۔"

صفائی کی اس مہم کے پانچ بڑے ہدف حسب ذیل تھے :۔

آہ سائے، جو سنکیانگ کی راجدھانی اورومچی کا میئر تھا۔

ٹسیہ سماٹی، سنکیانگ کے ثقافتی محکمے کا ڈائرکٹر۔ اس محکمے کی کمیونسٹ پارٹی کی شاخ کا سکریٹری اور مصنفوں کی یونین کی مقامی شاخ کا صدر۔

ایلا ٹیورٹی، سنکیانگ کے شہری انتظام کے محکمے کا ڈائرکٹر۔ اس محکمے کی کمیونسٹ پارٹی کی شاخ کا سکریٹری اور مصنفین کی یونین کی مقامی شاخ کا نائب صدر۔

اتیوجیا ایشہ، الی کی خود مختار قازق سٹیٹ کا نائب گورنر اور سنکیانگ کی علاقائی پارٹی کمیٹی کا ثانوی ممبر۔

اپلیٹیسی کالی، سنکیانگ کے محکمۂ تجارت کا نائب ڈائرکٹر۔

"پیپلز ڈیلی" کی رپورٹ میں درج ہے کہ ان مسلم لیڈروں کا جرم صرف اتنا نہیں کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کے، جس کے وہ کبھی ممتاز ممبر تھے، خلاف ہو گئے اور انھوں نے ہن چینیوں کی مخالفت کی بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے چین سے سنکیانگ کی علیحدگی کی کوشش کی :۔

"مقامی ملت پروروں نے پارٹی کو بدنام کیا، پارٹی میں پھوٹ

عوام کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے میں مدد دی۔ جاگیردارانہ نظام کی مکمل تباہی کے بعد سنکیانگ کے عوام بے مثل اقتصادی اور تمدنی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ عوامی نجات دہندہ فوج نے ایسے کارکنوں کی کثیر تعداد کو جنھیں لڑائیوں اور عوامی جدوجہد میں پوری طرح آزمایا جا چکا تھا فوجی خدمت سے سبکدوش کر کے سنکیانگ کے مختلف حصوں میں کام کرنے کے لیے بھیج دیا۔ یہ کارکن پارٹی اور حکومت کے اداروں، عوامی تنظیموں، فیکٹریوں اور کانوں میں اپنی اپنی جگہ جی توڑ محنت کر رہے ہیں۔"

جنرل نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ سنکیانگ میں ہن لوگوں کی آمد پر عوام کی طرف سے وسیع مزاحمت کی گئی۔ اس نے لکھا ہے کہ سنکیانگ کے شورش پسند یہ شکایت کر رہے ہیں کہ "ہن، سنکیانگ کے مقامی لوگوں کو بے گھر بنا رہے ہیں اور انھیں ان کی زمینوں اور چراگاہوں سے محروم کر رہے ہیں . . . . وہ بے اندازہ نقصان پہنچا رہے ہیں اور ان سے فائدہ کوئی نہیں پہنچتا۔ انھوں نے ہماری زندگی کو بدتر بنا دیا ہے۔"

کئی مہینے تک کمیونسٹ حکام سنکیانگ میں مقامی ملت پروری کے مراکز کی جستجو کرتے رہے۔ آخر جون ۱۹۵۸ء میں "پیپلز ڈیلی" نے اعلان کیا کہ اویغور قوم کے پانچ افراد کو جو سنکیانگ کے حکومتی اداروں میں اہم عہدوں پر کام کر رہے تھے، ملت پروری کے الزام میں پارٹی بدر کر دیا گیا ہے اور

کا نام دیکر آزاد ریاست قائم کرلیں! ان میں سے بعض تو یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ بین الاقوامی صورت حال میں کشیدگی پیدا ہو جائے گی، چین میں ہنگری کی طرح انقلاب پھوٹ پڑیگا اور سنکیانگ کو آزادی مل جائے گی "

جب ۱۹۵۸ء کے موسم خزاں میں سنکیانگ میں عوامی کمیون قائم کیے گئے تو انکی مزاحمت اور بھی وسیع پیمانے پر ہوئی شروع سے ہی اس قسم کی خبریں شائع کی جانے لگیں کہ کچھ جاگیردار، امیر کسان، انقلاب دشمن اور شرپسند عناصر" کمیون تحریک کو ناکام بنانے اور اس کی تخریب کی کوشش کر رہے ہیں ۱۹۵۹ء کے شروع میں مقامی کمیونوں کی جانچ پڑتال کی گئی لیکن اس سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا کیونکہ اسی سال کے نومبر میں یہ رپورٹ شائع ہوئی کہ "عوام کا کافی حصہ اور کچھ دیہی کارکن" تحریک کی مخالفت کرنے والے "خوشحال کسانوں" کے زیر اثر آگئے ہیں۔ اس کے بعد سنکیانگ کے کمیونوں کی دوسری بار جانچ پڑتال اور چھانٹی کی گئی۔

اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے پی۔ ایچ۔ ایم جونز "فار ایسٹرن اکنامک ریویو" کی ۱۷ نومبر ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے:۔

"یہ بات ممکن نہیں کہ لوگوں نے مقامی طرز زندگی کے ہر مخصوص پہلو کے خاتمے کو جو کمیونوں کا لازمی نتیجہ ہے صدق دل سے قبول کر لیا ہو لیکن اس سلسلے میں کچھ اور سننے میں نہیں آیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمیونوں کا قیام جس میں مشترکہ کچن بھی شامل ہے اب پوری طرح نافذ ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں کسی ردوکد کی گنجائش نہیں رہی جون ۱۹۶۰ء تک سنکیانگ کی تمام قومیتوں کے ۹۷ فیصدی کسان اور چرواہے مشترکہ کچن ہالوں میں شامل ہو چکے تھے اور ان کے لیے وہ سرگرم پسندیدگی کا مظاہرہ کر رہے تھے ... قدیم انفرادی طرز زندگی ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے "

ڈالنے کی کوششیں کیں اور مارکسزم اور لینن ازم کے ان اصولوں کی مخالفت کی جن پر پارٹی کی بنیاد قائم ہے .... ان کا پروگرام یہ ہے کہ ہن لوگوں کو سنکیانگ سے نکال دیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ سنکیانگ "اویغور قوم کا خود مختار علاقہ ہے" اور انھوں نے اس بات کی مخالفت کی کہ دوسری قومیتوں کے افراد پارٹی اور حکومت کے اہم عہدوں پر مقرر کیے جائیں۔ وہ ہن لوگوں کا پیچھا کر کے انھیں سنکیانگ سے بھگا دینا چاہتے تھے .... مقامی ملت پرور سوشلسٹ اصلاحات اور سوشلسٹ تعمیر کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سنکیانگ میں سوشلسٹ معیشت کا قیام ناممکن ہے کیونکہ وہاں کوآپریٹیو نظام اور زمین کے مسئلہ کا حل متضاد باتیں ہیں۔ کوآپریٹیو نظام، مقامی روایات اور قومی خصوصیات کو نظر انداز کر کے ہن اضلاع کے طریق کار کی اندھی تقلید ہے ....

مقامی ملت پرور علیحدگی کے حامی ہیں اور مادر وطن کی وحدت کے مخالف ہیں۔ انھوں نے علیحدگی پسندی کی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے چھوٹی چھوٹی سازشی ٹولیاں قائم کیں اور رجعت پسندانہ پروگرام اپنایا۔ وہ چاہتے یہ تھے کہ ایک "آزاد ری پبلک" یا "لیگ ری پبلک" قائم کریں اور خود مختار علاقے کو "اویغورستان" یا "مشرقی ترکستان"

کمیونسٹوں کی طرف سے اس قسم کے مطالبوں کا ایک ہی جواب ہے، غیر مبہم نہیں"۔

"مختلف قومیتوں کے لیے یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کی قیادت کے بغیر سوشلزمی نظام قائم کر سکیں ہم قومی کردار کے نام پر پارٹی کے یک جہتی اور وحدت کے اصول کی تخریب کی اجازت ہرگز نہ دیں گے اور اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پارٹی کی تنظیموں کو قومیتوں کے تناسبی حصّوں کے مطابق تقسیم کیا جائے"

(سٹیٹ کونسل کے قومیتی امور کے نائب صدر وانگ فینگ کا بیان ۔ ۱۹ فروری ۱۹۵۸ء)

"قومی خود ارادیت کا حق ایک مطلق حق نہیں بلکہ پرولیتاری انقلاب اور دشمن کے خلاف جنگ کے بنیادی تقاضوں کے تابع ہے" (روزنامہ "کوانگ منگ" ۱۰ اپریل ۱۹۵۸ء)

"پارٹی اس بات کو ہمیشہ پسند کرتی ہے کہ قومیتیں اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے کے معاملے میں وقت اور رفتار کا تعین خود کریں لیکن کسی قومیت کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اصلاحات سے گریز کرے" (روزنامہ "کانسو" میں ماچینگ نین کا مضمون ۔ ۲۳ جنوری ۱۹۵۸ء)

"خود مختار ادارہ عوامی جمہوری ڈکٹیٹرشپ کا ادارہ ہوتا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں کام کرے" (سیف الدین کی تقریر ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۵۷ء)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ملت پروری کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کمیونسٹ پارٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان پر شدید دباؤ ڈالا جائے لیکن شدت کے باوجود اس دباؤ کو بتدریج ہونا چاہیے ۔ جیسا کہ اوپر کے اقتباسوں سے ظاہر ہوتا ہے

کمیونسٹ علاج

اس میں کوئی شک نہیں کہ کمیونسٹ حکومت "مقامی ملّت پروری" کے معاملے میں مبتلائے تشویش ہے، کیونکہ اس قسم کی ملّت پروری صرف وسیع مسلم اقلیتی علاقوں ہی میں نہیں بلکہ چین کے دوسرے حصوں میں بھی عام ہے، جہاں کی مقامی اقلیتیں ہن بالادستی کے خلاف غصّے میں پیچ و تاب کھا رہی ہیں۔ یہ مسئلہ اس بنا پر کافی نازک ہے کہ کمیونسٹوں کے اس دور رس پلان کے لیے خطرے کا باعث ہے جس کا مقصد ایک متحدہ، منضبط اور انتہائی طور پر صنعتی ترقی یافتہ چین کو کامل اشتراکیت کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔ اخبارات میں اس مسئلے پر جو بے شمار بحثیں ہوتی ہیں ان میں اکثر میں اس بیماری کی علامتوں کی نشان دہی کی جاتی ہے اور اس سے بیرونی دنیا کو حقیقت حال کے متعلق مستند معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ علامتوں کی نشان دہی علاج تجویز کرنے کا پیش خیمہ ہے لیکن جو علاج تجویز کیا جاتا ہے اس سے مسلمانوں اور دوسری اقلیتی نسلوں کو جو یہ امید کرتی تھیں کہ ایجی ٹیشن اور اپنی شکایات کی تشہیر سے انھیں اپنے معاملات میں زیادہ دخل حاصل ہو جائے گا، کچھ زیادہ تسکین حاصل نہیں ہوگی۔

متعلقہ محکموں کی طرف سے بھی منظم کیا جانا چاہیے تاکہ انھیں مقامی لوگوں کے ہمراہ عام سوشلسٹ تعلیم دی جائے۔ مزید برآں انھیں قومیتی امور کے محکموں اور پارٹی کے متحارہ محاذ کا کام کرنے والے شعبوں کی طرف سے بھی مختلف مباحثوں اور اجتماعوں میں طلب کیا جانا چاہیے جہاں وہ قومیتی مسئلے کے سلسلے میں سوشلسٹ تعلیم حاصل کرسکیں۔"

مسلم ملت پروری کا مقابلہ کرنے کے لیے جو تیسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ پالیسی میں ایک نمایاں اور دلچسپ تبدیلی کا آغاز ہے۔ اس وقت تک کمیونسٹوں نے اس بات کو بڑی اہمیت دی ہے کہ اقلیتی نسلوں کے ترقی پسند ممبروں کو تعلیم اور تربیت دی جائے جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی قومیتوں کی قلب ماہیت کے لیے مؤثر کمیونسٹ آلے ثابت ہوں گے۔ اس وقت تک کمیونسٹ نظریہ یہ رہا ہے کہ ہوئی، اوئگھر، منگول اور دوسری اقلیتی نسلوں کے جو ممبر کمیونسٹ مقاصد کو اپنا لیں گے وہ اپنی قوموں کو کمیونزم کی طرف راغب کرنے کے لیے ہن کارکنوں سے زیادہ مؤثر ثابت ہوں گے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ عملاً ناکام ہو گیا ہے۔ کمیونسٹوں کو یہ جان کر مایوسی ہوئی ہے کہ نازک وقتوں میں کمیونسٹوں کے تربیت یافتہ اقلیتی کارکن اپنے ہم قوموں کا ہی ساتھ دیتے ہیں اور انسانی اقدار اور مذہبی مراسم، کمیونسٹ پارٹی کی کڑی ڈسپلن کے مقابلے میں قوی تر ثابت ہوئے ہیں چنانچہ کمیونسٹ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کارکنوں کو قومی بنیادوں پر بھرتی کرنا ایک غلطی تھی چنانچہ اب انھوں نے اس کی بجائے ایک نیا اصول اختیار کیا ہے جو عملے کو خالصتہً کمیونسٹ عملہ بنانے کا اصول ہے۔ اس نئی پالیسی کی پہلی تشہیر ۱۹۵۸ء کے آغاز میں کی گئی۔ اس کا ذکر کانسو کے ایک اخبار روزنامہ "لانچو" کی ۱۸ مارچ ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں اس طرح کیا گیا ہے:-

ان کا پہلا اقدام یہ ہے کہ وہ مسلم علاقوں میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمی پر کمیونسٹ پارٹی کا کڑا کنٹرول نافذ کر دیں۔ یاد رہے کہ موجودہ چین میں سیاسی سرگرمی سے مراد کم و بیش ہر قسم کی سماجی سرگرمی ہے۔

ان کا دوسرا اقدام یہ ہے کہ وہ کمیونسٹوں کے پرانے اور آزمودہ ہتھیار تعلیم اور نظریاتی نفوذ سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ طریقہ بجائے خود ان تمام تعلیمی مہموں پر ایک دلچسپ تبصرہ بھی ہے جو چین میں اس وقت تک چلائی گئی ہیں۔

۹ر فروری ۱۹۵۸ء کو ریاستی کونسل کے قومیتی امور کے کمیشن کے نائب صدر وانگ فینگ نے پہلی قومی عوامی کانگریس کی قومیتی کمیٹی کے سامنے ضدی اور کٹر اقلیتوں کی تعلیم جدید کی مہم کا ایک خاکہ پیش کیا۔ اس میں درج تھا:۔

"کارکنوں اور عوام کی بڑی اکثریت کو غائر سوشلسٹ تعلیم دینے کی ضرورت ہے موجودہ مہم کا آغاز سب سے پہلے پارٹی کے ممبروں اور کارکنوں میں ہونا چاہیے اور اس تعلیم کے دوران پارٹی کی اہمیت پر پورا پورا زور دیا جانا چاہیے... جہاں جہاں حالات اجازت دیں وہاں مہم کو سکولوں، فیکٹریوں اور دیہی علاقوں تک بھی پھیلانا چاہیے تاکہ مزدوروں، کسانوں اور دانشوروں اور ملاؤں کی وسیع اکثریت کو بھی غائر اور وسیع سوشلسٹ تعلیم حاصل ہو جائے... مذہبی حلقوں میں اس تعلیمی مہم میں ملک کی محبت، قانون کی پابندی اور برے آدمیوں اور بری چیزوں کی مخالفت کرنے پر زور دیا جانا چاہیے تاکہ وطن دوستی اور قانون پسندی کے تصورات کو تقویت پہنچے۔ اس کے ساتھ ہی اقلیتی قوموں کے لوگوں کو

"کمیونسٹوں کا یہ دعویٰ ہمیشہ سے ہے کہ دوسرے تاریخی مظاہر (مثلاً سیاسی پارٹیاں اور ریاست) کی طرح قومیتوں کی زندگی میں بھی مختلف مدارج آتے ہیں۔ ان کی ابتدا ہوتی ہے، ان کی ترقی ہوتی ہے اور بالآخر وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ قومیتوں کا یہ انجام جسے صحیح لفظوں میں ان کی باہمی آمیزش کہنا چاہیے اسے "قومی فنا" یا "قومی انضمام" سے بنیادی طور پر مختلف ہے جسے ماضی میں رجعت پسند حکمراں طبقے عملی جامہ پہناتے رہے ہیں" (سیف الدین ۲۳ جنوری ۱۹۵۸ء)

وانگ فینگ نے اپنی تقریر میں نسلی اقلیتوں کو یہ تسلی ضرور دی تھی کہ آمیزش کا یہ عمل طویل عرصہ میں تکمیل پائے گا :-

"مساوی بنیادوں پر مختلف قومیتوں کی بتدریج آمیزش سماجی ارتقا کا ایک قدرتی قانون ہے۔ بہرحال قومیتوں کی آمیزش کا یہ عمل فوری طور پر ہرگز مکمل نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ایک طویل تاریخی عمل ہوگا۔ سوشلزمی نظام تعمیر کے مشترکہ عمل میں اور مختلف قومیتوں کے ایک دوسرے کے قریب آنے اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہونیکے عمل میں آمیزش اور باہمی ادغام کے کچھ اثرات قومیتوں میں رونما ہوئے ہیں یہ بات قابل اعتراض نہیں بلکہ اس کے برعکس مستحسن ہے .... ہمارا خیال ہے کہ مختلف قوموں کے رسوم وروایات سماجی زندگی کے مخصوص حالات کا نتیجہ ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ سماجی زندگی کے حالات تبدیل ہو جائیں اور یہ رسوم وروایات تبدیل نہ ہوں۔ ان میں سے کچھ رسوم وروایات اچھی ہیں اور کچھ اچھی نہیں۔ اچھی روایات کو محفوظ رکھنا اور انھیں ترقی دینا مستحسن بھی ہے اور ضروری بھی لیکن یہ بات بہت غلط ہے کہ قومیتوں کے تمام رسوم اور روایات کے تحفظ اور ان کی ترقی پر بلا امتیاز زور دیا جائے اور اس معاملے میں اس بات کو بھی نظر انداز

"سوشلزم اور کمیونزم کی کامیابی کے لیے ہمیں ایسے تجربہ کار اور آزمودہ کامریڈوں کو منتخب کرنا چاہیے جو عوامی مقاصد سے بے پایاں وفاداری رکھتے ہوں اور قیادت کے اہل ہوں۔ جو کارکن ان شرائط کو پورا کرتے ہوں، انھیں کو بھرتی کیا جانا چاہیے۔ یہ بات خارج از بحث ہے کہ وہ ہن ہیں، ہوئی ہیں، تبتی ہیں یا کسی اور قومیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کارکن ان شرائط کو پورا نہیں کرتے وہ بے سود ہیں، خواہ وہ ہمارے باپ یا بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ سوشلزم کی تعمیر کی تکمیل کے لیے ہمیں قوم کے تمام انسانی، مادی اور مالی وسائل کو مجتمع کرنا پڑے گا... سوشلسٹ انقلاب اور سوشلسٹ تعمیر میں کارکنوں کے مقامی ہونے پر زور دینا اب مستحسن نہیں رہا۔ ضلع کی سطح پر تو مقامی کارکنوں کی قیادت خاص طور پر بے شمار خامیوں کا باعث بنتی ہے۔ سوشلسٹ انقلاب ایک انتہائی وسیع، شدید اور مکمل انقلاب ہوتا ہے۔ یہ اپنی لپیٹ میں ہر شخص اور ہر چیز کو لے لیتا ہے۔ اس قسم کے انقلاب میں کارکنوں کے لیے ان علاقوں میں کام کرنا جہاں ان کی پیدائش ہوئی ہے کسی طرح بھی مناسب نہیں کیونکہ وہاں وہ اپنے بے شمار رشتہ داروں کے اصرار اور انگیخت سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ جن کارکنوں کی قوتِ ارادی اور عزم بہت زیادہ مضبوط نہیں ان کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے متاثر ہو جائیں اور اصلاحات کے جرأت مندانہ اور آزادانہ نفاذ سے قاصر رہیں۔"

اس پالیسی کا مقصد کہ ایک اقلیتی نسل کے کارکنوں کو دوسری اقلیتی نسلوں کے علاقوں میں کام کرنے بھیجا جائے صرف مقامی ملت پروری کی روک تھام ہی نہیں، بلکہ کمیونسٹوں کے اس دور رس منصوبے کا ایک مرحلہ بھی ہے کہ تمام نسلی اقلیتوں کو چینی قوم میں ضم کر لیا جائے۔ یہ اور بات ہے کہ کمیونسٹ اس انضمام کو آمیزش کا نام دیتے ہیں۔ سیف الدین اور دوسرے کمیونسٹوں نے اس معاملے میں کمیونسٹ نظریے کی وضاحت بھی کی ہے :-

کر دیا جائے کہ وہ سوشلزم کے مطابق ہیں یا نہیں۔

(وانگ فینگ۔ ۱۹ فروری ۱۹۵۸ء)

مسئلے کا مرکزی پہلو غالباً یہی ہے۔ وہی صرف وہی رسوم و روایات جو "سوشلزم کے مطابق ہیں" محفوظ رکھنے کے قابل ہیں اور کمیونسٹ بر ملا کہتے ہیں کہ اسلام بھی رسوم و روایات کی فہرست میں شامل ہے۔ وہ رسوم و روایات جو سوشلزم کے مطابق نہیں اور وہ واضح نسلی اکائیاں جنھوں نے ان رسوم و روایات کو جنم دیا ہے بتدریج دبا دی جائیں گی اور ختم کر دی جائیں گی اگرچہ کمیونسٹ عارضی طور پر مذہب کی آزادی کی اجازت اور تبلیغی نسلوں کی انفرادیت کے احترام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن واقعتہً ان کا منصوبہ یہی ہے کہ ایک منضبط اور نسلی طور پر یکرنگ چین میں کمیونزم کو واحد جائز مذہب قرار دے دیا جائے۔

چین کے مسلمانوں میں گہرا اضطراب پھیلا ہوا ہے۔ کمیونسٹوں نے اس وقت تک جو کچھ کیا ہے اس سے مستقبل کا نقشہ کھل کر سامنے آگیا ہے۔